بسم اللہ الرحمن الرحیم

06804 ⑤

دار الافتاء
فتوی نمبر ۳/۱۸۸۴

بخدمت جناب مفتی صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بعد عرض خدمت یہ ہے کہ آنجناب سے چند سوالات کا حل معلوم کرنا ہے۔ یہ مسائل امسال حج کے دوران مختلف افراد کو درپیش آئے ہیں۔ چونکہ ایک ہی موضوع ہے

(۱) جماعت صلوٰۃ میں مقتدی کا امام سے مکاناً پیچھے ہونا ضروری ہے، آیا کہ یہ حکم صرف فقہ حنفی میں ہے؟ اسلئے کہ امسال مسجد الحرام میں صلوٰۃ ظہر کے وقت میں دو بار تو ایک صاحب نے مسجد الحرام کی چھت سے اس بات کا مشاہدہ کیا کہ امام صاحب نے ظہر کی جماعت کی امامت مسقف مسجد میں کھڑے ہو کر کرائی جبکہ مطاف میں جوانب اربعہ میں مقتدیوں کی صفوف تھیں جو کہ لامحالہ امام سے آگے تھیں جبکہ امام صاحب مطاف میں موجود نہیں تھے۔ جبکہ پہلے بھی اس طرح جمعہ ظہر وعصر کی جماعت ہوتی تھی مگر امام صاحب مسجد میں جس جانب کھڑے ہوتے اس جانب بیت اللہ تعالیٰ تک مطاف خالی ہوتا تھا مگر اس دفعہ مطاف تمام جوانب سے بھرا ہوا تھا۔

معہذا ایک عالم جو کہ مکہ مکرمہ کے رہائشی پاکستانی نژاد ہیں سے سنا کہ کچھ عرصہ قبل سعودیہ کے علماء کا سرکاری طور پر فتوی جاری ہوا تھا کہ ضرورت کے موقع پر امام سے آگے بھی نماز درست ہے اور علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ سے کوئی روایت کو بنیاد بنایا ہے۔

اس صورت میں جن افراد نے امام سے آگے نماز ادا کی انکی نماز کا کیا حکم ہے؟ انکو اطلاع ہوگئی ہو یا نہیں ہر دو صورتوں کا حکم واضح فرمادیں۔

(۲) صلوٰۃ جنازہ میں تو مستقلاً امام صاحب پیچھے سے ہی جماعت کرواتے ہیں، اگر جانب امام اگر کوئی آگے ہو اور بہت سارے لوگ آگے ہی ہوتے ہیں تو انکی نماز کا کیا حکم ہے؟ قضاء تو ہو نہیں سکتی۔ الرجاء

(۳) امسال عرفات میں مسجد نمرہ میں حج کا خطبہ اور ظہر عصر کی نماز امام کعبہ شیخ عبدالرحمن السدیس نے ادا کروائی تھی اور ظہر وعصر ~~قصرا~~ جمع وقصر کے ساتھ ادا کروائی تھیں۔ اب اگر ایسے حنفی افراد جو حج سے پہلے سے ہی مکہ مکرمہ میں مقیم تھے یعنی ان افراد کو حج سے پہلے ہی مکہ مکرمہ میں 15 دن سے زیادہ کا قیام مل چکا تھا ان افراد نے مسجد نمرہ میں جماعت سے نماز ادا کی اگرچہ انہوں نے قصر نہ کیا ہو بلکہ اتمام کیا ہو یا غلطی سے اقتداء کی وجہ سے قصر کیا انکی نماز کا کیا حکم ہے؟

اسلئے کہ فقہ حنفی کی رو سے تو شیخ سدید کیلئے قصر جائز نہیں تھا۔ یہ مسئلہ منیٰ میں مسجد خیف کا ہے

(۴) اسی طرح امسال ایک واقعہ یہ بھی پیش آیا کہ ایک جاننے والے صاحب نے بتایا کہ مزدلفہ میں رات ۱ یا 2 بجے ہی وہاں موجود شرطوں نے انکو اور انکے ساتھ موجود کافی افراد کو جبراً مزدلفہ سے روانہ کروادیا کہ یہاں سے جاؤ اور رمی کرو (واللہ تعالیٰ اعلم وہ کس جگہ بیٹھے تھے کہ انہیں سمجھ یا) بہرحال وہ کہتے ہیں ہمارے ساتھ زبردستی کی اور مارنے کی دھمکی دی دھکے دیتے ہم کئی لوگ تھے وہاں سے منیٰ آگئے اور راستے میں ٹھہر گئے کہ صبح وقوف کر لیں گے۔ تو منیٰ میں موجود پولیس نے کہا کہ یا تو رمی کرنے جاؤ یا خیمہ

میں یہاں مت رکو۔ بہرحال ہم اپنے مکتب آگئے ہو صبح رمی کی۔ ~~ایک بندے~~ بندہ نے ایک کے بارے میں
سنا ہے ان سے ملاقات نہیں ہوا سنا ہے کہ انکو تو مار کر مزدلفہ سے رات ہی رمی کیلئے روانہ
کیا تھا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ بہرحال ایسی صورت میں جبکہ جبراً وقوف مزدلفہ نہیں ہو سکا اس بندے
کا کیا حکم ہے؟ (۵) اسی طرح وقت سے پہلے رمی کرنے کا کیا حکم ہے؟
بینوا و توجروا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب حامداً ومصلیاً

﴿۱﴾۔۔۔جمہور فقہاء کرام حنفیہ، شافعیہ اور حنابلہ رحمہم اللہ تعالی کے نزدیک حرم مکہ میں جہتِ امام یعنی امام کی جانب نماز پڑھنے والے مقتدی کی نماز صحیح ہونے کے لیے یہ شرط ہے کہ مقتدی امام سے آگے نہ ہو، لہذا اگر حرم مکہ میں مقتدی نے امام کی جہت میں امام سے آگے نماز پڑھی تو اس کی نماز صحیح نہیں ہوگی، اور نماز کا اعادہ واجب ہوگا، اس لیے حرم مکہ میں جہتِ امام میں نماز پڑھنے والے مقتدیوں کے لیے بہت ضروری ہے کہ وہ ایسی صف میں نماز پڑھیں کہ انہیں اس بات کا غالب گمان ہو کہ وہ امام سے آگے نہیں ہیں۔

لہذا صورتِ مسئولہ میں اگر کسی نمازی نے امام کی جانب میں امام سے آگے فرض نماز پڑھ لی ہو تو ائمۃ ثلاثۃ حنفیہ، شافعیہ اور حنابلہ رحمہم اللہ تعالی کے نزدیک اس پر ان نمازوں کا اعادہ لازم ہے۔

بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع (١/ ١٤٥)

(ولنا) قول النبي – صلى الله عليه وسلم -: «ليس مع الإمام من تقدمه»؛ ولأنه إذا تقدم الإمام يشتبه عليه حاله، أو يحتاج إلى النظر وراءه في كل وقت ليتابعه، فلا يمكنه المتابعة؛ ولأن المكان من لوازمه، ألا ترى أنه إذا كان بينه وبين الإمام نهر أو طريق لم يصح الاقتداء لانعدام التبعية في المكان؟ كذا هذا، بخلاف الصلاة في الكعبة؛ لأن وجهه إذا كان إلى الإمام لم تنقطع التبعية، ولا يسمى قبله بل هما متقابلان، كما إذا حاذى إمامه، وإنما تتحقق القبلية إذا كان ظهره إلى الإمام ولم يوجد، وكذا لا يشتبه عليه حال الإمام والمأموم.

المبسوط للسرخسي (٢/ ٧٨)

(قال) : وإذا صلى الإمام بالناس في المسجد الحرام وقف في مقام إبراهيم وتحلق الناس حول الكعبة يقتدون به فيجزيهم به جري التوارث من لدن رسول الله – صلى الله عليه وسلم – إلى يومنا هذا والأصل فيه قوله تعالى {فول وجهك شطر المسجد الحرام} [البقرة: ١٤٤] والقوم كلهم قد استقبلوا القبلة وواحد منهم لم يتقدم الإمام في مقامه فيجزيهم إلا من كان ظهره إلى وجه الإمام وكان مستقبلا الجهة التي استقبلها الإمام وهو أقرب إلى حائط الكعبة من الإمام فهذا متقدم على الإمام فلا يصح اقتداؤه به.

الفقه الإسلامي وأدلته للزحيلي (٢/ ١٢٤٦)

ألا يتقدم المأموم على إمامه بعقبه (مؤخر قدمه)، أو بأليته (عجزه) إن صلى قاعداً أو بجنبه إن صلى مضطجعاً. فإن ساواه جاز وكره، ويندب تخلفه عنه قليلاً، وإن تقدم عليه لم تصح صلاته، وهذا شرط عند الجمهور (الحنفية والشافعية والحنابلة)،

﴿جاری ہے۔۔۔﴾

لقوله عليه الصلاة والسلام: «إنما جعل الإمام ليؤتم به» ولأنه يحتاج في الاقتداء إلى الالتفات إلى ورائه، ولأن ذلك لم ينقل عن النبي صلّى الله عليه وسلم ولا هو في معنى المنقول.

والعبرة في ذلك التقدم بالعقب، فإن تقدمت أصابع المقتدي لكبر قدمه على قدم الإمام، ما لم يتقدم أكثر القدم، صحت صلاته.

وأجاز الحنفية والحنابلة التقدم على الإمام في الصلاة حول الكعبة. وكذلك أجاز الشافعية التقدم على الإمام إذا كان المأموم في غير جهة إمامه، فإن كان المأموم والإمام في جهة واحدة، لم يصح تقدمه عليه، ويكره التقدم لغير ضرورة كضيق المسجد، وإلا فلا كراهة. وتبطل الصلاة في الجديد إن تقدم المأموم على إمامه؛ لأنه وقف في موضع ليس بموقف مؤتم بحال، فأشبه إذا وقف في موضع نجس.

وقال المالكية: لا يشترط هذا الشرط، فلو تقدم المأموم على إمامه ولو كان المتقدم جميع المأمومين، صحت الصلاة على المعتمد، لكن يكره التقدم لغير ضرورة، لأن ذلك لايمنع الاقتداء به، فأشبه من خلفه.

﴿۲﴾۔۔۔ نمازِ جنازہ میں بھی سوال نمبر (۱) کے جواب میں ذکر کردہ تفصیل ہے، البتہ چونکہ نمازِ جنازہ کی قضاء نہیں، لہذا نمازِ جنازہ کا اعادہ نہیں کیا جائے گا۔

بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع (١/ ٣١١)

ولا يصلى على ميت إلا مرة واحدة لا جماعة ولا وحدانا عندنا، إلا أن يكون الذين صلوا عليها أجانب بغير أمر الأولياء، ثم حضر الولي فحينئذ له أن يعيدها۔

﴿۳﴾۔۔۔ صورتِ مسئولہ میں اگر امام صاحب مقیم تھے (جیسا کہ سوال سے معلوم ہوتا ہے) تو چونکہ حنفیہ کے نزدیک مقیم کا قصر کرنا درست نہیں، لہذا مذکورہ قصر کرنے والے مقیم امام کی اقتداء میں جن حنفی حجاج کرام نے نمازیں پڑھی ہیں ان کی فرض نماز ادا نہیں ہوئی ہیں، ان پر بہر صورت ان نمازوں کا اعادہ لازم ہے۔

الفتاوى الهندية – (١ / ١٤٠)

لو نوى الإقامة خمسة عشر يوما في موضعين فإن كان كل منهما أصلا بنفسه نحو مكة ومنى والكوفة والحيرة لا يصير مقيما وإن كان أحدهما تبعا للآخر حتى تجب الجمعة على سكانه يصير مقيما.

الدر المختار وحاشية ابن عابدين (رد المحتار) (١/ ٥٦٣)

وأما الاقتداء بالمخالف في الفروع كالشافعي فيجوز ما لم يعلم منه ما يفسد الصلاة على اعتقاد المقتدي عليه الإجماع

مراقي الفلاح شرح نور الإيضاح علي حاشية الطحطاوي باب الإمامة (ص: ٢٩٤ ط دار الكتب العلمية بيروت)

وأما إذا علم المقتدي على الإمام ما يفسد الصلاة على زعم الإمام كمس المرأة أو الذكر أو حمل نجاسة قدر الدرهم والإمام لا يدري بذلك **فإنه يجوز اقتداؤه به على قول الأكثر** وقال بعضهم لا يجوز منهم الهندواني لأن الإمام يرى بطلان هذه الصلاة فتبطل صلاة المقتدي تبعا له **وجه الأول وهو الأصح أن المقتدي يرى جواز صلاة إمامه والمعتبر في حقه رأي نفسه فوجب القول بجوازها كما في التبيين وفتح القدير. وإنما قيد بقوله "والإمام لا يدري بذلك" ليكون جازما بالنية وأمكن حمل صحة صلاته على معتقد إمامه، وأما إذا علم به وهو على اعتقاد مذهبه صار كالمتلاعب ولا نية له فلا وجه لحمل صحة صلاته ."**

وفى حاشية الطحطاوي تحته:

"وإن لا يعلم المقتدي من حال إمامه مفسدا الخ" هذا على ما هو المعتمد أن العبرة لرأي المقتدي وعلى القول الآخر وهو أن العبرة لرأي الإمام فالإقتداء صحيح وإن عاين مفسدا بحسب زعمه أي المقتدي ذكره السيد.

قوله: "كخروج دم سائل" وكمسح دون ربع الرأس أو الوضوء من ماء مستعمل أو تحمل قدر مانع من النجاسة.......................................

قوله: "فالصحيح جواز الإقتداء" لأنه يحتمل أنه توضأ وحسن الظن به أولى قوله: "على زعم الإمام" دون المأموم.

قوله: "أو حمل نجاسة قدر الدرهم" **فإنه مفسد عند الإمام الشافعي رضي الله عنه لا عندنا ولو صلى على ظن أنه** محدث أو عليه نجاسة مانعة ثم تبين خلاف ذلك لا تجزئه تلك الصلاة لأن العبرة لما ظنه لا لما في نفس الأمر ويخشى عليه الكفر كما في السراج.

قوله: "وهو على إعتقاد مذهبه" أما إذا قلد مذهب المؤتم فقد اتحد معتقدهما ولا كلام فيه.

قوله: "ولا نية له" أي للمتلاعب.

قوله: "فلا وجه لحمل صحة صلاته" الأول حذف حمل ولو علم بفساد صلاة إمامه أما بشهادة عدول أنه أحدث ثم صلى مثلا وإما بإخبار منه عن نفسه ويقبل قوله إن كان عدلا تلزمه الإعادة وإن لم يكن عدلا لا يقبل لكن تستحب الإعادة كما في السراج وإذا علم مفسدا في صلاة الإمام لا يجوز له الإقتداء به إجماعا۔

﴿۴﴾۔۔۔صورتِ مسئولہ میں جن حجاج کرام کو بلا عذرِ شرعی، وقوفِ مزدلفہ سے پہلے یعنی مزدلفہ کی رات صبح صادق سے پہلے ہی مزدلفہ سے نکلنے پر مجبور کیا گیا اور ان سے وقوفِ مزدلفہ رہ گیا ایسے حجاجِ کرام پر وقوفِ مزدلفہ

﴿جاری ہے۔۔۔﴾

رہ جانے کی وجہ سے حدودِ حرم میں دم دیناواجب ہے (کیونکہ یہاں ترکِ وقوف کا عذر من جہۃ العباد تھا)، الّا یہ کہ وہ وہاں رُکنے سے یامزدلفہ واپس جانے سے شرعاً معذور ہوں۔(مستفاد من احسن الفتاوی:۴/۵۳۱وفتاوی محمودیہ:۲۲/۴۴۵)

الدر المختار وحاشية ابن عابدين (رد المحتار) (۲/ ۵۴۴)

لكن ذكر شارحه ما يدل على أن المراد بالعذر ما لا يكون من العباد حيث قال عند قول اللباب: ولو فاته الوقوف بمزدلفة بإحصار فعليه دم. هذا غير ظاهر لأن الإحصار من جملة الأعذار، إلا أن يقال إن هذا مانع من جانب المخلوق فلا يؤثر، ويدل له ما في البدائع فيمن أحصر بعد الوقوف حتى مضت أيام النحر ثم خلي سبيله أن عليه دما لترك الوقوف بمزدلفة ودما لترك الرمي ودما لتأخير طواف الزيارة اهـ ومثله في إحصار البحر وسيأتي توضيحه هناك إن شاء الله تعالى-

غنية الناسك، باب الجنايات، المطلب السابع فى ترك الواجب فى الوقوف بمزدلفة، ط ادارة القرآن ص:۲۷۹

ولو ترك الوقوف بمزدلفة بلا عذرٍ لزمه دم، وإن تركه بعذرٍ بأن كان علة، أو ضعف، أو كانت امرأة تخاف الزحام، لا شيئ عليه، ولو ترك المبيت بها لم يلزمه شيئٌ إلا أنه يكره، ولو فاته الوقوف بمزدلفة بإحصار، فعليه دم-

الهداية في شرح بداية المبتدي (۱/ ۱۸۱)

قال " ولا يجوز ذبح الهدايا إلا في الحرم " لقوله تعالى في جزاء الصيد: {هَدْياً بَالِغَ الْكَعْبَةِ} [المائدة: ۹۵] فصار أصلا في كل دم-

﴿۵﴾۔۔۔جہاں تک وقت سے پہلے رمی کرنے کا تعلق ہے تو واضح رہے کہ اگر رمی طلوع فجر سے پہلے ہی کر لی تھی تو یہ رمی درست نہیں ہوئی ہے، اور اگر ۱۳ ذوالحجۃ کے غروب سے پہلے پہلے رمی کا اعادہ نہیں کیا تو رمی نہ کرنے کی وجہ سے ایک دم دیناواجب ہے۔

الفتاوى الهندية (۱/ ۲۳۳)

(والكلام في الرمي في مواضع) (الأول) في أوقات الرمي وله أوقات ثلاثة يوم النحر وثلاثة من أيام التشريق أولها يوم النحر ووقت الرمي فيه ثلاثة أنواع مكروه ومسنون ومباح فما بعد طلوع الفجر إلى وقت الطلوع مكروه وما بعد طلوع الشمس إلى زوالها وقت مسنون وما بعد زوال الشمس إلى غروب الشمس وقت مباح والليل وقت مكروه كذا في محيط السرخسي ولو رمى قبل طلوع الفجر لم يصح اتفاقا كذا في البحر الرائق-

﴿جاری ہے۔۔۔﴾

الدر المختار (٢/ ٥٥٣)

(أو) ترك (طواف الصدر أو أربعة منه) ولا يتحقق الترك إلا بالخروج من مكة (أو) ترك (السعي) أو أكثره أو ركب منه بلا عذر (أو الوقوف بجمع فيه) يعني مزدلفة أو الرمي كله، أو في يوم واحد، أو الرمي الأول، وأكثره: أي أكثر رمي يوم

حاشية ابن عابدين (رد المحتار) (٢/ ٥٥٤)

(قوله أو الرمي كله) إنما وجب بتركه كله دم واحد لأن الجنس متحد كما في الحلق، والترك إنما يتحقق بغروب الشمس من آخر أيام الرمي وهو الرابع لأنه لم يعرف قربة إلا فيها، وما دامت الأيام باقية فالإعادة ممكنة فيرميها على التأليف، ثم بتأخيرها يجب الدم عنده خلافا لهما بحر، وبه علم أن الترك غير قيد لوجوب الدم بتأخير الرمي كله أو تأخير رمي يوم إلى ما يليه، أما لو أخره إلى الليل فلا شيء عليه كما مر تقريره في بحث الرمي (قوله أو في يوم واحد) ولو يوم النحر لأنه نسك تام بحر (قوله أو الرمي الأول) داخل فيما قبله كما علمت، لكنه نص عليه تبعا للهداية لأنه لو ترك جمرة العقبة في بقية الأيام يلزمه صدقة؛ لأنها أقل الرمي فيها بخلاف اليوم الأول فإنها كل رمية رحمتي فافهم---------------**والله تعالى أعلم**

بندۂ عزیز طارق

عزیز طارق بلوانی غفر لہ ولوالدیہ

دار الافتاء جامعہ دار العلوم کراچی

۲۵/رجب/۱۴۳۸ھ

۲۳/اپریل/۲۰۱۷ء

الجواب صحیح
احقر محمود اشرف غفر اللہ لہ
۲۵/۷/۱۴۳۸ھ

الجواب صحیح
محمد عبد المنان عفی عنہ
۲۷/۷/۱۴۳۸

الجواب صحیح
۲۵/۷/۱۴۳۸ھ

الجواب صحیح
شاہ محمد تفضل علی عفی عنہ
۲۷/۷/۱۴۳۸ھ

الجواب صحیح
بندہ ابراہیم عیسیٰ
۲/۸/۱۴۳۸ھ

دار الافتاء